بھی قبول کرے، اس کے جو جو کچھ تقاضے اور مطالبے اس کے سامنے آئیں، انھیں جان کی بازی کھیل کر بھی پورا کرے۔ اخلاقی جرأت رکھنے والے آدمی کے لئے اس کے سوا اور کوئی رویہ نہیں ہو سکتا۔

حق و باطل سے قطع نظر یکسوئی خود ایک عظیم الشان طاقت ہے۔ دنیا میں اگر کسی مقصد کے حصول میں قابلِ ذکر کامیابی حاصل ہو سکتی ہے تو یکسوئی، استقلال اور عزیمت ہی کے ذریعے ہو سکتی ہے۔ آدمی اگر خدانخواستہ کفر کو بھی اختیار کرے، لیکن اس کفر کے مطالبے پورے کرنے کے لئے صحیح جرأت کا ثبوت دے، تو کفر اگرچہ کفر ہے اور خدا کو ناپسند ہے، لیکن استقلال و یکسوئی کے ساتھ اگر اسے اختیار کیا گیا ہو تو کفر بھی اس دنیا میں وہ سب کچھ دے سکتا ہے جو آج اس نے دنیا کی کافر قوموں کو دے رکھا ہے۔ لیکن اگر آپ آخری دین اسلام جیسی مبارک نعمت کو بھی اختیار کریں، مگر یکسوئی سے نہ کریں ــــ تذبذب اور نفاق کے ساتھ اختیار کریں، پورے اعتماد کے ساتھ نہ کریں ــــ تو اسلام جیسی نعمت کے ساتھ بھی نہ دنیا میں فائدہ ہو سکتا ہے، نہ آخرت میں! یہ طریقہ خسر الدنیا والآخرۃ کا طریقہ ہے۔ اس طریقے پر چلنے والے دنیا میں بھی ذلیل اور غیروں کے محکوم اور حاشیہ بردار ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی اُن کے لئے ذلت و نامرادی ہے۔

یہ شک اور عدم یکسوئی، یہ تھڑدلا پن اور بزدلی، اسے اگر آپ اسلامی اصطلاح میں سمجھنا چاہیں تو قرآن و حدیث میں اسے "نفاق" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ آپ میں سے جو لوگ اسلامی اصطلاحات کی قدر و قیمت سے واقف ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ نفاق فرد میں پایا جائے یا جماعت میں، بدترین مہلک اور خطرناک بیماری ہے، لیکن یہ ان عام بیماریوں میں سے ہے جس میں ہر قوم کے بزدل افراد مبتلا ہوتے رہے ہیں۔

زندہ قوموں کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ جیسے وہ اپنے آپ کو سل اور دق کی بیماریوں سے بچانے کی کوشش کرتی ہیں، اسی طرح وہ نفاق، بزدلی اور عدم یکسوئی سے اپنے افراد کو بچانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتی ہیں۔ وہ اپنی ساری تمدنی، سیاسی، و تعلیمی طاقتوں کو اس بات پر مرتکز کر دیتی ہیں کہ بزدل افراد کے اندر سے نفاق کی بیماری کو اکھیڑ دیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ دنیا کے پردے پر کوئی ایک قوم بھی ایسی مل سکتی ہے جو نفاق کو اپنا دین اور مسلک بنا کے چلی ہو، اسی کو وہ عین اپنی قومی پالیسی قرار دے اور اس کے سارے معاملات نفاق ہی کی رہنمائی میں انجام پائیں۔ میرا مطالعۂ تاریخ مجھے یہی بتاتا ہے کہ ایسی کوئی قوم کبھی نہیں گزری۔ ہر زندہ قوم نے نفاق اور تھڑدلے پن کی

بیماری کو دور کرنے اور یکسوئی اور یک جہتی پیدا کرنے کے لئے اپنی پوری کوششیں وقف کی ہیں۔

لیکن میں بڑے دکھ اور قلبی رنج کے ساتھ یہ بات کہنے پر مجبور ہوں کہ اس آسمان کے نیچے اگر کوئی ایسی قوم ہے جس کے لیڈروں نے قومی پالیسی کو نفاق پر چلانے کا فیصلہ کیا ہے تو یہ سن کر دلوں کو پارہ پارہ ہو جانا چاہیے کہ وہ ہماری ہی قوم ہے۔ یہ درد اور غم شاید میری طرح آپ کو بھی بے چین کر دے گا، لیکن ہم پوری مستعدی اور یکجہتی کے ساتھ حالات کا جس طرح مطالعہ کر رہے ہیں وہ اسی کی شہادت دیتا ہے کہ اتنی بڑی ذلت اور اتنی بڑی مہلک بیماری کو ہمارے لیڈروں نے قومی پالیسی کی حیثیت سے اختیار کر لیا ہے۔ میں آج آپ کے سامنے یہی چیز واضح کرنے کے لئے کھڑا ہوا ہوں کہ آپ کے لیڈر آپ کے لئے کس چیز کو قومی پالیسی کی حیثیت سے سوچ رہے ہیں اور قوم کو کدھر ہانک کر لے جانا چاہتے ہیں۔

یہ واقعہ ہے کہ ہمارے لیڈروں نے ـــــ جنھیں آپ ہی نے لیڈر بنایا ہے ـــــ من حیث الجماعت ٹھنڈے دل سے یہ طے کیا ہے کہ وہ زبان سے تو اسلام اسلام پکارتے چلے جائیں اور جگہ جگہ تقریروں میں یہ کہتے پھریں کہ اسلام ہی میں تمام مصیبتوں سے نجات ہے اور دنیا کی ساری مشکلات اسلام ہی سے حل ہوتی ہیں، پوری قوتِ بیان کے ساتھ بزرگ اسلاف کی مدح سرائی کریں، دنیا میں قرآن کا جھنڈا اونچا کرنے کا اعلان کرتے پھریں، اور قوم کو بھی یہی بلاوا دیں کہ اے قوم آ اور اسلام کی علمبرداری کر ـــــ لیکن دوسری طرف اپنی قومی پالیسی اور سیاسی جدوجہد کا پورا زور اس مہم میں صرف کر دیں کہ قوم کو جاہلیت کی طرف، غیر اسلام کی طرف اور باطل کی طرف دھکیلا جائے۔

اس صورتِ حالات کا نتیجہ یہ ہے کہ پوری قوم ایک ایسے دوراہے پر کھڑی ہے جس کے ایک کنارے کچھ لوگ ہیں جو اسے اسلام کی طرف بلا رہے ہیں اور دوسری طرف اس قوم کے لیڈر ہیں جو اسلام کے نام سے اسے جاہلیت اور کفر کی طرف دھکیل دینا چاہتے ہیں۔ یہ جو کچھ ان حضرات نے شروع کیا ہے یہ ایک طرح کی اسلام بازی ہے۔ آپ کے لیڈروں کی کوشش یہ ہے کہ قوم پر اسلام کی دھونس جمائی جائے۔ چنانچہ ہر شخص اٹھ اٹھ کے اسلامی روایات کا حوالہ دے رہا ہے، پورے جوش و خروش سے تاریخی واقعات یاد دلائے جا رہے ہیں اور پھر نہایت درجے کی بلند بانگی اور غمگینی کے ساتھ اسلامی روایات کے تحفظ و بقا کا عہد کیا جاتا ہے، لیکن عملی پہلو کو اگر آپ دیکھیں تو

ہر معاملے میں ملک و ملت کو صریح جاہلیت کی طرف لے جایا جارہا ہے۔ کیا اس سے زیادہ ذہنی انتشار پھیلانے والی کوئی اور صورت بھی ہو سکتی ہے کہ ایک طرف سے وہ اسلام کی دعوت سن کر ایک قدم بڑھاتی ہے تو دوسری طرف سے زبردستی اس کا اٹھا ہوا قدم کفر کی طرف دھکیل دیا جاتا ہے۔ جو قوم اس طرح سے ایک دوراہے پر تذبذب میں مبتلا کر دی گئی ہو اس مرحلے میں اگر اُس پر کوئی نازک وقت آگیا تو وہ آخر کس طرح خطرے کا مقابلہ کرے گی۔ ایک قوم جو کفر ہی پر یکسوئی سے قائم ہو وہ بہر حال بڑی سے بڑی آفت کا مقابلہ عزیمت کے ساتھ کر سکتی ہے۔ لیکن اگر اسلام کا نام لینے والوں کا حال یہ ہو کہ وہ ذہنی انتشار اور تذبذب میں مبتلا ہوں تو ان کا کسی خطرے سے عہدہ برآ ہونا مشتبہ ہے۔ یہ نہایت درجے افسوس کا مقام ہے کہ ہماری قوم کو اسی مقام پر لاکھڑا کر دیا گیا ہے۔

یہ صورتِ حالات جس میں آپ گھرے ہوئے ہیں، تقاضا کرتی ہے کہ آپ یکسو ہو کر سوچیں کہ کہاں کھڑے ہیں اور جانا کدھر ہے؟

اگر پوری صورتِ حالات کا ایمانداری کے ساتھ جائزہ لیا جائے اور دل کو غلط فہمیوں سے الگ کر کے سوچا جائے تو یہ بات ہر شخص کو معلوم ہے کہ پاکستان جو آپ کا محبوب ملک ہے، اس کے لئے مطالبہ جو اٹھا تھا اس کو کشمیر سے راس کماری تک ہمہ گیر مقبولیت کیسے حاصل ہوئی تھی اور اس کا رمز کیا تھا کہ پوری قوم مل جل کر اٹھ کھڑی ہوئی اور ایک ایک زبان سے پھر یہی صدا بلند ہونے لگی۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ مسلمان قوم کو اس کے لیڈروں نے متواتر یقین دلایا تھا کہ ہم اپنے دین اور ایمان کو باقی نہیں رکھ سکتے جب تک کہ ایک آزاد خطۂ زمین ہمیں حاصل نہ ہو۔ اس آزاد خطۂ زمین کو ہم اس لئے حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ اس میں قرآن کا بتایا ہوا اسلامی نظام قائم کریں۔ یہی وہ جادو تھا جس نے پوری قوم کو مطالبۂ پاکستان کے لیے جمع کر دیا، اور پھر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہوا کہ یہ مطالبہ مانا گیا اور پاکستان وجود میں آگیا۔

لیکن جب پاکستان بن گیا تو ہمارے لیڈروں کی نیتیں بدل گئیں۔ انھوں نے محسوس کیا کہ اب تک اسلام کا جو نام ہم لیتے رہے ہیں اور جو نعرے ہم لگاتے رہے ہیں وہ ہمارے لئے آفت بن جائیں گے۔ چنانچہ پاکستان بننے کے بعد اونچے درجے کے لیڈروں نے سیکولر اسٹیٹ کے قیام کا اظہار کرنا شروع کیا۔ لیکن قوم کے دل میں اسلام سے جو بہم سی محبت تھی اس کی وجہ سے وہ اس قسم کی چالوں کے ذریعے اپنے مقصد سے منحرف

ہونے والی نہیں تھی۔ اس طرح کے اعلانات پر صدائے احتجاج بلند ہوئی اور قوم نے دباؤ ڈال کر لیڈروں کو اپنا نظریہ بدلنے پر مجبور کر دیا۔

شروع شروع میں قوم کو منحرف کرنے کے لئے طرح طرح کے بہانے گھڑے گئے۔ مثلاً کبھی کہا گیا کہ پاکستان ایک نوزائیدہ سلطنت ہے، یہ ایک طفلِ شیر خوار ہے اور ابھی اس پر بوجھ ڈالنا مناسب نہیں۔ یہ مضبوط ہو لے تو پھر اسلامی نظام کا سوال چھیڑا جا سکتا ہے۔ کبھی کہا گیا کہ ملک کو نہ جانے کیا کیا سیاسی و معاشی الجھنیں درپیش ہیں اور ان کے حل ہونے سے پہلے اسلامی نظام کا مطالبہ ایک بے ہنگم چیز ہے۔ کبھی مہاجرین کے مسئلے کو عذر بنایا گیا، کبھی کشمیر کے مسئلے کی آڑ لی گئی اور کبھی پٹھانستان کے شوشے کو پیشِ نظر رکھ کے کہا گیا کہ ان خطرات کے ہوتے ہوئے نظامِ اسلامی کی راگنی بے وقت کی راگنی ہے۔

لیکن قوم ان باتوں سے مرعوب نہیں ہوئی بلکہ اپنے مطالبے پر اڑی رہی اور اس نے جواب میں صاف صاف کہا کہ ہم نے پہلے بھی کئی خطرات بھگت لئے ہیں، اور اب اگر کوئی اور خطرہ موجود ہے تو اس سے بھی نمٹ لیں گے آپ اسلامی نظام قائم تو کیجئے۔

پھر کہا گیا کہ اگر یہاں اسلامی نظام قائم کیا گیا تو ہندوستان جس میں کئی کروڑ مسلمان بستے ہیں، ان پر ہندو راج مسلط کر دیا جائے گا۔ لوگوں نے اسے بھی اہمیت نہیں دی بلکہ یہ کہا کہ جب ہم ایک مقصد کے لئے لاکھوں بھائی بہنوں کی جانوں اور ناموس کو قربان کر چکے ہیں تو اب کیا ان موہوم خطرات کی بنا پر اس سے دستبردار ہو جائیں۔

جب یہ افسوں بھی کارگر نہ ہوا تو دوسری نکتہ آفرینیاں شروع کی گئیں۔ کہا گیا کہ پہلے لائق بنو، پھر اسلامی نظام قائم کر کے دیا جا سکتا ہے (FIRST DESERVE, THEN DESIRE) ان حضرات کے اندازِ تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو اپنی جگہ مثیلِ فاروقؓ اور نمونۂ صدیقِ اکبرؓ بن چکے ہیں اور اسلام جو کچھ چاہتا ہے اسے پورا کرنے کے لئے ان کی بیقراریوں اور پریشانیوں کی کوئی حد نہیں، لیکن ان کی اصل مشکل یہ ہے کہ قوم اسلامی نظام کے قابل نہیں، جس دن قوم اس لائق بن جائے گی اس دن اسلامی نظام [illegible] قائم ہو جائے گا۔

ان حضرات نے خود اپنی فاسقانہ زندگیوں کا جائزہ لے کر نہیں دیکھا کہ ہم اور ہمارے اہل و عیال دینِ حق سے کتنی دور ہیں۔ انگریزی تہذیب و تمدن کی پرستش میں کس حد تک مبتلا ہیں اور اسلامی روایات کو پامال کرنے میں

کتنے بیباک ہیں۔

دراصل ان کا کہنا یہ تھا کہ ہمارے سینما گھر تو یونہی رہیں گے، ہم بے پردگی کی تحریکیں یونہی چلاتے رہیں گے، ہمارے زیرِ اہتمام مردوں اور عورتوں کے مخلوط اجتماعات یونہی ہوتے رہیں گے اور ہم ببل چوہدری کے رقص کی سرپرستی یونہی کرتے رہیں گے ـــــ لیکن قوم سے ان کا مطالبہ یہ تھا کہ تم جاؤ اور صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کے نمونے بن کر دکھاؤ، تو پھر اس کے بعد ہمارے پاس اسلامی نظام کا مطالبہ لے کر آنا۔

اس پر ہم نے کہا کہ حضرت! ہوش کے ناخن لیجیے۔ قوم میں اگر دس فی صدی خرابیاں ہیں تو آپ میں نوے فی صدی ہیں۔ آپ اپنی فکر کیجیے۔ قوم میں جو کچھ خرابیاں ہیں وہ نتیجہ ہیں جہالت کا، لیکن آپ تو جان بوجھ کر اپنے لئے اسلام سے انحراف کا راستہ پسند کر رہے ہیں۔ پھر قوم اپنی اصلاح کرنا چاہتی ہے، لیکن آپ اس پر مسلسل غلط پردہ ڈال رہے ہیں۔ براہِ کرم اپنے آپ کو درست کیجیے۔

وہ نکتہ آفرینیاں کرتے رہے اور ہم جواب دیتے۔ بالآخر حق غالب آیا اور رائے عام نے دباؤ ڈال کر قراردادِ مقاصد ان حضرات کے حلق سے اگلوا لی۔ یہ اقرار درحقیقت برضا و رغبت نہ تھا، یہ ان سے اگلوایا گیا ہے۔ قوم نے تابڑ توڑ مطالبے کئے، وہ اپنی بات پر ڈٹ گئی اور اکابر کو مجبور کر کے کہا کہ قراردادِ مقاصد پاس کرو۔ یہ ان کی طرف سے بادلِ ناخواستہ مجبورانہ اقرار تھا، لیکن فی الواقع ہم یہی چاہتے تھے کہ یہ لیڈر لوگ درست ہو جائیں، اپنی اصلاح کریں، انہی کے ہاتھوں سے اسلامی نظام قائم ہو اور یہی آئندہ مرحلوں میں بھی قوم کی قیادت کریں۔ ہم نے اپنا فرض سمجھا کہ پورے شرحِ صدر اور پورے حسنِ ظن کے ساتھ ان کے اس اعلان کا خیر مقدم کریں۔ جس دن انھوں نے یہ کام کیا اس دن سے ہم نے ان کی مدح سرائیاں کیں، ان کی تعریف کے پل باندھے اور دل و جان سے ان کو مبارکباد دی۔ ملتان کے جیل خانے میں جب ہم کو اول اول یہ خبر ملی تو ہم نے یہی محسوس کیا کہ اس سے بابرکت کوئی کام نہیں کہ قوم نے دستور یہ کی زبان سے کلمۂ لا الٰہ الا اللہ پڑھا۔ ہم نے پوری خوش گمانی کے ساتھ اس اعلان میں سے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کے وہ معنی نکالے کہ جن سے ان کا حسنِ نیت ثابت ہو۔ اگرچہ بار بار ہمارے کانوں میں یہ بات ڈالی گئی کہ یہ اعلان منافقانہ ہے اور ایسے لوگوں نے قراردادِ مقاصد پاس کی ہے جن کی اپنی زندگیاں اس قرارداد کے صریحاً منافی ہیں، لیکن ہم نے کہا کہ کیا عجب ہو خدا انھی سے یہ کام کرا لے۔ اگر ایسا ہو تو ہم سے

زیادہ خوش کون ہوگا۔ ہم ان کی رکابیں تھام کے چلیں گے اور ان کے احکام کی اس طرح تعمیل کریں گے جیسے شریعت اسلامی کی رو سے امیر المومنین کی کرنی چاہیے۔ ہم اپنی اطاعت کی باگیں دینِ حق کی حدود میں ان کے حوالے کرکے مطمئن ہونگے۔

لیکن یہ ایک دردانگیز حقیقت ہے کہ قرارداد مقاصد پاس کرنے کے بعد بھی ان حضرات کی نیتیں نہیں بدلیں۔ کیا بعد کے واقعات نے یہ ثابت نہیں کر دیا کہ قرارداد مقاصد ان کے حلق سے زبردستی اگلوائی گئی تھی؟ اس قرارداد کا کوئی پرتو ان کی زندگیوں پر نہیں پڑا۔ بلکہ اسے پاس کرنے کے بعد پھر انھوں نے طرح طرح کے شگوفے چھوڑنے شروع کئے اور پہلی نکتہ آفرینیوں میں نئے نئے لطائف کے اضافے ہونے لگے۔

ایک نکتۂ بدیع ولطیف یہ پیش کیا گیا کہ اسلام تو متحرک ہے۔ ہم حیران تھے کہ اس اشارے کا مطلب کیا ہے؟ اول اول کچھ سمجھ میں نہیں آیا جب ان حضرات کی طرف سے اس کی تشریح کی گئی تو ہم حیران رہ گئے کہ بتدا کیا تھا اور خبر کیا نکلی۔ معلوم ہوا کہ اسلام کے متحرک ہونے کے معنی یہ ہیں کہ یہ حضرات اپنی فاسقانہ زندگی میں جس کا ایک ایک شعبہ اسلام سے ہٹا ہوا ہے، جو جو حرکتیں کرتے ہیں اسلام ان کے پیچھے پیچھے چلتا ہے اور ان حرکتوں کے لئے سندِ جواز دیتا جاتا ہے۔ اگر یہ شراب پینے لگیں تو اسلام ان کے ساتھ جا کر عرض کرتا ہے کہ حضور مجھے آپ کی طرف سے ذرہ بھر بھی ملال خاطر گوارا نہیں، یہ تو میں نے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے ایک مرتبہ کہہ دیا تھا کہ شراب حرام ہے، لیکن اب اگر آپ آگے بڑھ گئے ہیں تو ان پرانی باتوں پر دھیان دینے کی ضرورت نہیں۔ یہ اگر زنا کرنا چاہیں تو اسلام ہاتھ باندھے ہوئے ان سے درخواست کرتا ہے کہ حضور سوئے ظن میں مبتلا نہ ہوں، میں کوئی جامد تھوڑی ہوں کہ اس روشن زمانے میں آپ سے کہوں کہ زنا حرام ہے۔ میں تو متحرک ہوں، جہاں آپ جائیں، ایک غلام کی طرح میں ساتھ ہوں۔ آپ شوق سے شغل فرمائیے۔

اسلام کو جب اس طرح متحرک بنا دیا گیا تو آپ کو معلوم ہے کہ بے پردگی کی تحریک کے لئے ان مفتیانِ دین نے جو جو فتوے دیئے اور جس جس طرح کے نکتے نکالے ان سب کو کس طرح عینِ اسلام قرار دیا گیا۔

لیکن جب ان کو یہ اندازہ ہوا کہ اگرچہ اسلام کا متحرک ہونا ثابت کیا جا چکا ہے۔ تاہم قوم نے ہماری حرکتوں کو جائز تسلیم نہیں کیا تو پھر ان کے اندر سے نئے نئے جعادری مفتی اور نکتہ آفریں فلسفی اٹھے اور انھوں نے کہنا شروع کیا کہ اسلامی نظام بڑی مبارک چیز ہے، لیکن جانتے ہو کہ اسلام کی تاریخ کا سب سے زیادہ مبارک دور کونسا ہے؟

—— وہ بنو امیہ کا دور ہے! اسی دور میں، اسلام اپنے اصل عروج کو پہنچا۔ یہ وہ دور ہے جس کی روایات کو نمونہ بنانا چاہیے۔

آج تک تو ہم یہ جانتے تھے کہ بنو امیہ کا دور وہ دور ہے جس میں اسلام کی بنیادیں ہلادی گئی تھیں۔ یہ بنو امیہ ہی کا دور تھا جس میں اسلامی حکومت اور فرمانروائی کے سارے اصول مٹ گئے۔

اب آپ سے کہا جاتا ہے کہ یہ ہے آپ کی اسلامی تہذیب کا زرین دور۔ یہ دعوے آپ کے انٹرنیشنل نے جیسے بھولا بن گئے ہیں اور ان باتوں کے کہنے کے لئے باہر سے بڑے بڑے جغادری مرشد درآمد (IMPORT) کئے گئے ہیں تاکہ وہ قوم کے سامنے اسلامی تہذیب کے وعظ ارشاد فرمائیں۔

بنی امیہ کا دور جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی، اور جسے "ملکِ عضوض" کے لفظ سے تعبیر کیا جس میں حجاج اور ابن ہبیرہ جیسے درندے اقتدار پر آئے اور انھوں نے خاندانِ رسالت کے خیمے اکھیڑ کر ہوا میں اڑا دیئے اور خلافتِ راشدہ کی مقدس تاریخ کے ایک ایک نشان کو مٹا دیا، اس دور کے متعلق ہمیں آج یہ سکھایا جاتا ہے کہ تاریخِ اسلام کا روشن ترین دور کوئی ہو سکتا ہے تو یہی ہے۔ کیونکہ ان کی نگاہ میں اسی دور میں اسلام کی بنیادیں مضبوطی اور وسعت کے ساتھ رکھی گئی تھیں اور مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی ریسرچ اکاڈمیوں کو ہدایت کریں کہ وہ دستور متعین کرنے کے لئے اپنی ساری توجہات اسی دور پر مرتکز کریں۔

یہ ایک دوسری چال تھی، لیکن ظاہر ہے کہ ہماری مسلمان قوم کتنی ہی جاہل اور دین سے نابلد کیوں نہ ہو —— ہمارے اکابر کے سوا —— سب لوگ اس حقیقت کو جانتے ہیں کہ یہ دور وہ ہے جس نے اسلامی نظام کے سارے مبارک نقوش مٹا ڈالے۔

چنانچہ جب یہ افسوں بھی نہ چلا تو بعض حلقوں سے یہ نکتہ اچھالا گیا کہ اسلام میں تو قانون کے ماخذ میں سے ایک اہم ماخذ اجماع ہے جو قانون سازی کا بنیادی اصول ہے۔ مسلمان قوم کے منتخب نمائندے جس بات پر اتفاق رائے کرلیں —— چاہے وہ پورے قرآن کو منسوخ کر دیں اور پورے دفترِ حدیث پر قلم پھیر دیں ——

وہ فیصلہ بہرحال شرعی قانون ہے۔ یہ اس درجے کی جرأت ہے کہ ایسی جرأت ابلیس بھی نہیں کر سکتا۔ لیکن الحمد للہ کہ اس زمین میں ایمان کا نمک کچھ نہ کچھ موجود ہے جس کی وجہ سے یہ فتنہ جڑ نہیں پکڑ سکا۔

اس کے بعد جب یہ لوگ بے بس ہو گئے تو پھر انھوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ گھبرائیے نہیں، اسلامی نظام تو قائم ہو گا ہی، مگر کچھ خبر بھی ہے کہ اسلامی نظام اور امریکہ و برطانیہ کی جمہوریت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ چنانچہ آپ کی دستوریہ کے اکابر اٹھے اور انھوں نے امریکہ اور برطانیہ کی طرف جھانکنا شروع کیا اور تحقیق ہونے لگی کہ یہ نظام اسلام سے قریب تر ہے یا وہ نظام۔ اسلامی دستور بنانے کے لئے ان کی نگاہیں قرآن و حدیث کی طرف نہیں اٹھیں، خدا کے گھر کی طرف ان کا منہ نہیں مڑا۔ اسلامی تاریخ کی روایات کی طرف توجہ نہیں ہوئی، بس لے دے کے اسلامی دستور کا سرچشمہ کوئی نظر آیا تو صرف ایک انگلستان اور امریکہ نظر آیا۔

پھر آپ کی دستوریہ کے سیکرٹری صاحب نے اسلامی دستور پر جو مقالہ لکھا ہے وہ بجائے خود ایک شاہکار ہے۔ میں نے اسے خود پڑھا ہے، اور بغیر کسی شائبۂ بدگمانی کے کہنا چاہتا ہوں کہ کوئی کٹر سے کٹر اور جاہل سے جاہل مستشرق بھی ان خیالات کا اظہار نہیں کر سکتا جس قسم کے جاہلانہ خیالات کا اظہار اس مقالے میں کیا گیا ہے۔ آپ کے یہ سیکرٹری صاحب یہاں تک کہہ گزرے ہیں کہ ایک فرد واحد کی زندگی اس کے لئے کافی نہیں ہے کہ اسے ہمیشہ کے لئے ماخذِ قانون بنا لیا جائے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلی ہوئی توہین ہے اور ایسا کہنا سراسر جہالت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی اور آپ کی ایک ایک چیز ہمارے لئے ہدایت اور قانون ہے۔ قوم کا یہی عقیدہ اور یہی ایمان تھا جس نے اس فتنے کو بھی سر اٹھانے ہی ناکام کر دیا۔

اب انھوں نے آخری حربہ یہ نکالا ہے کہ قوم کو دھوکا دینے کے لئے چند تنخواہ دار مولوی مقرر کر لئے ہیں اور ان کے سپرد یہ کام کیا ہے کہ آپ حضرات جس مسئلہ میں ہم چاہیں اس کے متعلق مشورے دیتے رہیں لیکن ان مشوروں میں سے جس قدر ہماری مرضی ہو گی ہم قبول کریں گے اور جن کو اور جس قدر ہم چاہیں گے رد کر دیں گے۔ مجھے سخت افسوس ہے کہ ہمارے بعض بزرگ لوگ تک اس دھوکے میں آگئے ہیں اور انھوں نے اس کمتریں کے ساتھ اسلام کی ترجمانی کا کام اپنے ذمے لے لیا۔

واقعہ یہ ہے کہ کوئی معمولی ڈاکٹر یا حکیم بھی اس بات کے لئے رضامند نہیں ہو سکتا کہ وہ کسی مریض کا اس شرط پر علاج

کہے کہ قبلہ مریض صاحب آپ میری جس دوا کو چاہیں اور جس طرح چاہیں استعمال کریں اور جب ، کو چاہیں میرے منہ پر دے ماریں اور نسخہ پھاڑ کر پھینک دیں میں کہتا ہوں کہ کوئی ڈاکٹر یا حکیم تو درکنار کوئی گھٹیا سے گھٹیا عطائی بھی اس ذلت کو گوارا نہیں کر سکتا لیکن یہ بہرحال ایک واقعہ ہے کہ ہمارے بعض بزرگوں نے اسی پوزیشن کو اپنے لئے پسند کر لیا ہے کہ وہ ان حضرات کو اسلام کی روشنی میں مشورے عرض کرتے رہیں گے اور اس "کمترینی" کے ساتھ عرض کرتے رہیں گے کہ "حضور والا مرضیٔ مبارک ہو تو ان نمک خواروں کے ناچیز مشوروں پر غور فرما لیجئے اور اگر وہ مرضیٔ معلّٰی کے موافق نہ ہوں تو رد کر دیجئے یا حسبِ منشا ان میں ترمیم فرما لیجئے۔

میں پوری صفائی کے ساتھ اس بات کو کہہ دینا چاہتا ہوں کہ یہ ایک بہت بڑا دھوکا ہے۔ یہ لوگ آخر میں قوم سے کہیں گے کہ دیکھئے ہم نے اسلامی نظام کے ماہرین سے مشوروں کے بعد یہ دستور بنایا ہے لیکن اللہ نے چاہا تو ہم ان کے اس دھوکے کو نہیں چلنے دیں گے اور اپنی قوم کو ہر قدم اور ہر مرحلے پر اصل صورتِ حال سے مطلع رکھنے کی پوری کوشش کریں گے۔

اب آپ اچھی طرح جائزہ لیجئے کہ آپ کو کس جگہ لا کے کھڑا کر دیا گیا ہے؟ آپ جہاں آزادی سے پہلے تھے اس سے آگے بڑھے ہیں یا پیچھے ہٹے ہیں؟ —— اگر آپ اس سوال کے جواب میں میرے تبصرے کو قبول فرمائیں تو میں آپ کی خدمت میں بلا مبالغہ یہ عرض کروں گا کہ آپ آزادی سے پہلے جس مقام پر تھے اس سے آپ نے ترقیٔ معکوس کی ہے۔ آپ کا جو قدم بھی اٹھا ہے وہ قومی خودداری اور اسلامی روایات کے بالکل مخالف سمت میں اٹھا ہے، اور اس سے دین مبارک بھی مجروح ہوا ہے اور قومی خودداری کو بھی نقصان پہنچا ہے، آپ کی سیاسی، معاشرتی، سماجی اور مذہبی زندگی کو اس دوران میں بڑے بڑے چرکے لگے ہیں۔ زندگی کے ان سارے پہلوؤں میں عظیم الشان رخنے پیدا ہو گئے ہیں اور ہمارے مقاصد پر خوفناک زد پڑی ہے۔ آیئے اور پوری سنجیدگی سے حالات کا جائزہ لیجئے۔

اولاً آپ اپنی سیاسی زندگی کو لیجئے۔ اس کے دو حصے ہیں: داخلی اور خارجی۔

اگر آپ اپنی داخلی سیاست پر غور کریں گے تو میری اس رائے سے اتفاق کریں گے کہ یہ ٹھیک ٹھیک لفظوں میں سابق حکمرانوں کی نہایت درجہ بھونڈی نقالی پر مبنی ہے —— میں اس موقع پر لفظ "بھونڈی" کو خوب سوچ سمجھ کر اور پورا زور دے کر استعمال کر رہا ہوں —— ہمارے "دیسی صاحبوں" نے "ولایتی

صاحبوں" کی نقل اتارنے کی کوشش کی ہے اور فی الواقع نہایت بھونڈی کوشش کی ہے۔

ایک اسلامی نظام، بلکہ اس سے بھی نیچے ایک قومی (NATIONAL) نظام کے اندر قوم کے لیڈر کا طریق کار یہ ہوتا ہے کہ وہ خدمتِ خلق کے ذریعے اپنا رعب قائم کرے۔ لوگوں کی مشکلات اور دشواریوں کا حل ڈھونڈے، لوگوں کے مطالبات کو پورا کرے اور ان کے قومی جذبات کے تقاضوں کا احترام کرے۔ یہ وہ صحیح راستہ ہوتا ہے جس سے آزاد قوموں کے لیڈر پبلک کے دلوں میں گھسا کرتے ہیں۔ اگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر قوم جان دیتی تھی تو اس کا اصل راز یہی تھا۔ لیکن انگریز چونکہ "غیر" تھا اسے ہم پر رعب جمانے کے لئے ٹھاٹھ باٹھ کی ضرورت ہوتی تھی۔ اسے "ہٹو بچو" کا اہتمام کرنا پڑتا تھا، وہ مسلح باڈی گارڈز کا محتاج تھا۔۔۔ تاکہ وہ جدھر نکلے، زمین کانپ اٹھے اور آسمان دہل جائے۔ بیرونی "بیوروکریسی" کیلئے ممکن العمل طریق کار یہی تھا۔

اب آپ سوچئے کہ کیا آپ کے موجودہ فرمانرواؤں کے سوا کوئی اور تدبیر ایجاد کر سکے؟ وہی کرّ و فر، وہی ہٹو بچو، وہی ٹھاٹھ باٹھ آپ کے حکامِ عالی مقام نے اختیار کر رکھے ہیں، ان میں یک سرِ مو فرق نہیں آیا۔ کیا ایک اسلامی حکومت کے حکام کو یہی کرنا چاہئے؟ ہمارے ان حکامِ عالی مقام کی گئی گزری ہوئی پشتوں تک دیکھا جائے، انگریز نے قومی روایات کے تقاضے ان کے اندر سے کھرچ کھرچ کر نکال دیئے ہیں۔ یہ ایک بیرونی طاقت کا طریقہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے استبداد کو مسلط کرنے کے لئے عوام کے سروں کو توڑائے اور پورے فسطائی اور نازی ہتھکنڈے اور پوری شیطانی قوتیں استعمال کر کے رائے عام کو دبائے۔ اسی طریقے کو ہمارے لیڈروں نے پسند کیا ہے۔

اس کی ایک نمایاں مثال آپ کا سیفٹی ایکٹ ہے۔ یہ ایکٹ اس لئے بنایا گیا تھا کہ غیر ملکی اقتدار نے محسوس کیا کہ اس کے قائم رہنے کے لئے قانون و عدالت کا نظام کافی نہیں ہے بلکہ ناگزیر ہے کہ رائے عام کو جبر سے دبایا جائے۔ پھر کیا انگریز کے جانے کے بعد ہمارے لیڈروں نے رائے عام کی حوصلہ افزائی کے لئے کچھ بھی اقدام کیا؟ کیا آزادیٔ رائے کے کسی ایک دریچے کو بھی کھولا؟ انگریز کا کوئی ایک قانون بھی بدلا اور کوئی ایک طریقہ بھی منسوخ کیا؟ جتنی تلواریں سابق حکومت نے بنائی تھیں کیا ان میں سے کوئی ایک بھی کند ہوئی؟ کیا ان میں سے جو تھیں زنگ آلود ہو گئے تھے ان کو پورے اہتمام سے سان پر رکھ کر از سر نو

تیز نہیں کیا گیا؟ ——— انھوں نے سیفٹی ایکٹ کو منسوخ کرنے کے بجائے اُلٹا اس پر سیفٹی آرڈی ننس کا اضافہ کیا اور پھر ان ظالمانہ قوانین کے کمزور پہلوؤں کو نت نئی ترمیموں سے مضبوط تر کیا، تاکہ انسانی آزادی کا قتلِ عام خوب اچھی طرح کیا جا سکے۔

پھر کیا اس گورنمنٹ کے لئے کہ جو گورنمنٹ صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کے نقشِ قدم پر چلنے کی دعویدار ہو اور اسلامی نظام قائم کرنے کی علمبردار بنے، صحیح روش یہی ہے؟

سابق حکومت نے معاشی و معاشرتی اونچ نیچ کا بہت ہی مکروہ نظام اپنے ترکے میں چھوڑا ہے، ہمارے حکمرانوں نے اسے ایک مقدس ورثے کی حیثیت سے جوں کا توں قبول کر لیا ہے، بلکہ اس مکروہ نظام کی ہر چیز کو اور زیادہ پالش کر کے نمایاں کیا جا رہا ہے۔ ان حضرات کو خبر ہی نہیں کہ وقت کے تقاضے کیا ہیں اور کمیونزم ملک کے دروازوں پر دستک دے رہا ہے۔ "اسلام، اسلام" پکارا تو بہت جا رہا ہے لیکن ان کو یہ سرے سے معلوم نہیں کہ وہ ہوتا کیا ہے۔

اس صورتِ حالات کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک طرف ریاستی اقتدار، رئیسوں کی حکومت اور ولی عہدی کے نظام کی ہر جگہ حمایت و سرپرستی کی جا رہی ہے، اور دوسری طرف معاشرتی اونچ نیچ بدستور ہے، زندگی میں وہی ناقابلِ برداشت تفاوت موجود ہے، اور اس طرح کمیونزم کو دعوت دی جا رہی ہے کہ وہ آئے اور سارے نظامِ تمدن کو تہ و بالا کر دے۔

کیا آپ کو معلوم ہے کہ ان کارگزاریوں کے ساتھ اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے کس چیز پر اعتماد کیا جا رہا ہے؟ ——— ان کے سامنے صرف ایک اصول ہے، اور وہ یہ ہے کہ پبلک کا حافظہ کمزور ہوتا ہے، انھیں یقین ہے کہ اگر کوئی آواز ان کے خلاف اٹھے گی تو وہ کچھ دیر فضا میں گونج کر آہستہ آہستہ خود بخود ختم ہو جائے گی، اخبارات شور مچائیں گے، لیکن وہ بھی ٹائیں ٹائیں فش کر کے رہ جائیں گے۔ آپ کے وزیر اعظم کو پورا پورا اعتماد ہے کہ وہ کچھ کر ڈالیں، اُن کے خلاف کوئی صدائے احتجاج نہیں اٹھ سکتی۔

کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ آپ کی داخلی سیاست اس طرز پر چل رہی ہے؟

اب بیرونی سیاست کو لیجئے۔

ابھی کچھ زیادہ دیر نہیں گزری کہ آپ نے من حیث القوم خدا تعالیٰ کی فرمانروائی اور ہر دوسری طاقت سے قوم کی آزادی کا اعلان بڑے طنطنے کے ساتھ کیا ہے۔ لیکن آپ ابھی تک کامن ویلتھ کے بندھن میں بندھے ہوئے ہیں اور تاج برطانیہ کے اسی طرح وفادار ہیں جس طرح کامن ویلتھ سے تعلق رکھنے والے دوسرے ممالک۔ آج بھی آپ کا نشانِ عزت ملکِ معظم کا وجود ہے۔ تاج برطانیہ کی وفاداری میں شاید خود اُس تاج کے پرستارانِ اول اتنے مخلص نہ ہوں جتنے یہ ہمارے حکمران مخلص ہیں۔ کیا خدا کی بادشاہت کے اعلان کے یہی معنیٰ ہیں اور کیا یہی کچھ ہے آپ کی آزادی؟

بیرونی دنیا میں آپ کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ آپ اینگلو امریکن بلاک کے حاشیہ بردار ہیں۔ اُدھر سے شہنشاہی اغراض کے تحت کوئی پالیسی طے ہوتی ہے اور اِدھر سے ہمارے لیڈر صاحبان ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ پاکستان امن قائم کرنے کی کوششوں میں پورا پورا حصہ لے گا۔ وہی بات کہ "بلبل ہمیں کہ قافیۂ گل شود بس است"۔

جو کچھ وہاں سے اشارہ ہوتا ہے اس پر بلاچون وچرا "آمنّا وصدّقنا" کا اقرار کیا جاتا ہے، سوچنا اُن کا کام ہے عمل کرنا اِن کا کام ہے۔ جس سے اُن کی جنگ اُس سے اِن کی جنگ، جس سے اُن کی صلح اُس سے اِن کی صلح۔ امریکہ اور برطانیہ ہی تو ہمارے وہ سرچشمے (SOURCES) ہیں جن سے الہام نازل ہوتا ہے، جن سے اسلحہ آتا ہے اور جن سے سرمایہ ملتا ہے۔ وہ تمام اقتصادی اور سیاسی بندھن جو اہلِ مغرب نے اسلامی اور ایشیائی ملکوں کے لئے تیار کئے ہیں، وہ پاکستان پر انھیں زبردستی نہیں لاد رہے ہیں، بلکہ یہ ہمارے اپنے آقایانِ کرام ان کو بلا بلا کے اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ یہ بیڑیاں ہمیں پہنا جاؤ۔

امریکہ نے کوریا میں نہایت بھونڈی اغراض کے لئے جنگ کرنے کا اعلان کیا تو یہ حضرات بھی پوری شانِ وفاداری کے ساتھ آگے بڑھے اور انھوں نے بھی کہا کہ پاکستان ہمہ تن آپ کے ساتھ ہے یعنی ہم بھی پانچوں سواروں میں شامل ہیں۔

اب ذرا ہندوستان کے مسئلے کو لیجئے۔ ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ ہندوستان کے ساتھ پاکستان کے تعلقات اچھے سے اچھے ہوں۔ ہندوستان کے مسلمانوں کے مفاد کے لئے بھی اور خود اپنے ملک کی بھلائی کے لئے بھی ہم نے

(بقیہ بر صفحہ ۲۸۴)

رسائل و مسائل

قرارداد مقاصد اور ہمارا آئندہ دستور

سوال :-

مجلس دستور ساز پاکستان کی منظور کردہ قرارداد مقاصد متعلقہ دستور پاکستان میں ایک شق حسب ذیل ہے۔

"جس کی رو سے مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر زندگی کو اسلامی تعلیمات اور مقتضیات کے مطابق جو قرآن مجید اور سنت رسولؐ میں متعین ہیں، ترتیب دے سکیں۔"

اس کام کا اصل تعلق تو دراصل حکومت کے انتظامی امور سے ہے۔ کہ وہ اس کے لیے کیا کیا اقدام کرتی ہے۔ قانونی طور پر حکومت کو مجبور کرنے نیز اس سلسلہ میں غفلت یا عدم تعاون یا معاندانہ رویہ اختیار کرنے کی صورت میں دستور میں کیا کیا Provision ہونی چاہئیں کہ یہ مقصد بخوبی بروئے کار آجائے نیز دستوری طور پر حکومت کو اس سلسلہ میں غفلت برتنے، عدم تعاون یا معاندانہ رویہ اختیار کرنے کی صورت میں کس طرح سے روکا جا سکے۔ اور ایک شہری کو حکومت کے خلاف عدلیہ کے سامنے اس بات کو لانے کے لیے کیا کیا تدابیر ہونی چاہئیں۔

جواب :-

آپ کے سوالات کا جواب دینے سے پہلے ضروری ہے کہ ان دو بنیادی غلط فہمیوں کو دور کر دیا جائے جن پر یہ سوالات مبنی ہیں۔

پہلی غلط فہمی جو آپ کے سوالات میں پائی جاتی ہے یہ ہے کہ آپ قرارداد مقاصد کو ایک قابل تجزیہ چیز سمجھ رہے ہیں۔ اور آپ کا گمان یہ ہے کہ اس کی مختلف شقوں کے کچھ الگ الگ تقاضے اور مطالبات ہیں جن کو پورا کرنے کے لیے زیر ترتیب دستور میں کچھ جدا جدا آئینی صورتیں تجویز کی جانی چاہئیں حالانکہ